دکنی دبستان شاعری میں غزل کے کردار

ڈاکٹر ثمینہ ندیم، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج برائے خواتین، کوپر روڈ، لاہور

Abstract

The Urdu poetic tradition had first taken roots in The Deccan and Gujrat. The Deccan's poets of Ghazal introduced new dimensions to their artistic expressions which were specific within this culture.

The article discusses the Deccan poets with their bold initiative of juxtaposing the Persian and Hindi traditions. It also shows that this created a poetic ambiance where the characters were not alien to the readers of that time.

These characters of Deccan Ghazal were carried through in Delhi Ghazal in the eighteenth century, and thus the process of development and evolution of these characters continued.

دکن میں اُردو زبان و ادب کی قدیم روایت موجود ہے۔ بہمنی عہد میں دکن مخلوط تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ ہندو مسلم یگانگت کی مثالیں دکنی کلچر میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ گولکنڈہ کے سلاطین ایران و ترکستان کی کچھ روایات محفوظ کیے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے رہن سہن پر بہمنی سلطنت کے تمدن کا بہت اثر رہا کیونکہ گولکنڈہ کی سلطنت کا بانی سلطان قلی بہمنی تہذیب کا پروردہ تھا لہٰذا معاشرتی سطح پر میل ملاپ کا فطری نتیجہ تھا کہ قطب شاہیوں نے بہت آسانی کے ساتھ مقامی تمدنی رجحانات کو خوش آمدید کہا۔ باہمی اخوت اور بھائی چارے کی بنیاد پر عادل شاہی تمدن پروان چڑھا اور بیجاپور مخلوط تہذیب کی آماجگاہ بن گیا نیز عادل شاہی تمدن میں ایران اور دکن کی ثقافت کی واضح جھلک نظر آنے لگی اس ثقافت کی بنیاد فیروز شاہ بہمنی کے ہاتھوں پڑی۔ بہمنی فرمانروا علوم وفنون کے قدر دان اور سرپرست تھے۔

نصیر الدین ہاشمی نے اس وقت کے چند مشہور علماء کا ذکر کیا ہے

> ''علاؤالدین حسن ایک اچھا علم دوست بادشاہ تھا اس کے دربار میں مولانا لطف اللہ ملا اسحٰق سرہندی، ملّا حکیم علیم الدین تبریزی، حکیم نصیر الدین شیرازی، صدر الشریف سمرقندی اور رضی الدین جگا جوت جیسے نامی علماء جمع تھے''[۱]

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد قطب شاہی اور عادل شاہی حکمرانوں نے نہ صرف اپنی سلطنت کو مضبوط بنایا اس کے ساتھ علوم و فنون کی بھی قدر دانی کی۔ سلطان محمد قطب شاہ اور علی عادل شاہ ثانی بذات خود اچھے شاعر تھے لہٰذا ان کے عہد میں سخنوروں کی ہمت افزائی کی گئی۔ ابراہیم قطب شاہ نے گولگنڈہ کی سرزمین میں شعر و ادب کو فروغ دیا۔

ابراہیم قطب شاہ کی وفات کے وقت گولکنڈہ علم و ہنر اور تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بن چکا تھا سلطان محمد قلی قطب شاہ کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل تھی اُسے باپ سے ورثے میں ایک مضبوط حکومت ملی تھی وہ اُردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہے اُس کی نظمیں بھی غزل کی فارم میں ہیں۔ اُس کی غزل میں اہم ترین کردار عورت کا ہے۔ عورت کا کردار جس استقامت ترو تازگی حقیقت اور سچائی کے ساتھ محمد قلی کی غزل میں منظر عام پر آیا۔ اُس کی بڑی وجہ اس کی رومان پسند طبیعت تھی نیز اُس کے ماحول، اُس کے ذوق جمال اور ذاتی حالات نے اُسے زندگی سے لطف اندوز ہونے کے بھرپور مواقع فراہم کیے۔

ڈاکٹر سعداللہ کلیم کی رائے میں:

''محمد قلی قطب شاہ کی شاعری پر جس طرح غزل غالب ہے اسی طرح اُس کی غزل پر عورت غالب ہے۔''۳

عورت کے ساتھ محمد قلی قطب شاہ کی وابستگی آسودگی اور سرشاری کی حامل ہے وہ ایک مستحکم حکومت کا مالک تھا لہٰذا عشق و محبت اس کے لیے روگ نہ بنے۔

پیاری بھنواں ہیں تیریاں جوں کہ چند　　اسے دیکھنے میں ہیں عشاق بند ۳

•••

اے بہشتی حور تج کیا کم نقاب　　دونی جگ میں روشنی تو مکھ کے باب ۴

•••

پیارے گال ہیں تیرے میٹھے نابات تھے اگلے　　کہ چھاتی ستیں چھاتی لا اپس سوں منج ملائی ۵

•••

عورت کے لیے قلی قطب شاہ نے اپنی شاعری میں جو لفظ استعمال کیے ان الفاظ سے غزل میں عورت سے اس کے تعلق کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ دھن (عورت، محبوبہ) ساجنا، سجن، سودھی، (خوشبو) پرم (محبت) کا جلا (کاجل) لباں (لب کی جمع ان الفاظ سے محمد قلی قطب شاہ کی شاعری میں عورت کی مرکزیت نمایاں ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی رائے میں:

''اُس کی شاعری ایک اوپیرا (Opera) یا رہس کی طرح ہے جس میں مختلف کردار اپنے خوبصورت ملبوس اور حسین بدنوں کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔''۶

محمد قلی قطب شاہ کی غزل میں عورت محبوبہ ہے مگر اُردو کی کلاسیکی شعری روایت کے برعکس یہ محبوب ظالم نہیں اُس کی درجن بھر محبوباؤں جن کے نام بھی اُس نے اپنی نظموں میں گنوا دیے ہیں۔ کوئی بھی اس پر ظلم نہیں کرتی فارسی روایت میں جو ظالم اور قاتل محبوب کا تصور ملتا ہے وہ یہاں نظر نہیں آتا۔

یہ بات اہم ہے کہ قلی قطبؔ شاہ کی غزل میں رقیب کا کردار کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا اُس کے عشقیہ معاملات میں عاشق اور محبوب کے درمیان کوئی حائل نہیں کیونکہ نہ تو اسے محبوب کے سامنے عجز کا اظہار کرنے کی ضرورت تھی اور نہ اپنی ذات کی کمتری کا شکوہ تھا نہ اسے فراق یار سے واسطہ پڑا نہ اُسے کسی پاسبان سے تعلق رہا۔ بہر حال چند ایک مواقع پر رقیب کا ذکر

ضرور ملتا ہے۔

حال میرا دوری نادان ہور کوپ رقیب　　سب تو بوجھیا ہے خدا ہور شاہ مرداں غم نہ کھاے

●●●

تم ناز حسن سکہ ہے دل اُپر ہمارے　　رقیباں رقم نہ بوجھیں ہے ائے جیا حوادث ۸

●●●

محمد قلی غزل میں عشق اور جمالیات کے ساتھ مذہب سے بھی اپنا رشتہ جوڑے رکھتا ہے وہ اپنے عشق میں علیؓ اور محمدؐ کو شامل رکھتا ہے کئی بار وہ مذہبی حوالوں کے ساتھ ان کرداروں کا ذکر کرتا ہے۔

نبیؐ صدقے قطب شہ دل میں کہتا　　محبت حیدر کرار احداث ۹

تاریخی اور مذہبی کردار بھی اُس کی غزل کا حصہ ہیں

یوسف گم سو پھر آ گا اب یہ کنعاں غم نہ کھا　　گھر ترا اُمید کا ہو گا گلستان غم نہ کھا! ۱۰

●●●

پانی کہ خضر حیات پایا　　مد گھر تے تنک سو جام لیتا ۱۱

●●●

تیری انچل مجھ باوتھے ہے عیسوی دم جلوہ گر　　وہ انچل مجھ ہات میں ہے جیوں کہ موسیٰ کا عصا ۱۲

●●●

رام بابو سکینہ نے گولکنڈہ اور بیجا پور کے بادشاہوں کی علم دوستی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے

''شاہان گولکنڈہ و بیجا پور نہایت قدر دان فن، مہذب اور قابل بادشاہ تھے شعراء کی قدر دانی کے ساتھ خود بھی فارسی اور دکنی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔'' ۱۳

شعری روایت دکن میں استحکام حاصل کر چکی تھی اور یہاں سبھی اصناف یعنی مثنوی، قصیدہ، رباعی، مرثیہ، قطعہ اور غزل کی تخلیق کا آغاز ہو چکا تھا اس دور میں مثنوی بہت مقبول ہوئی یوں غزل کو وہ عروج حاصل نہ ہو سکا جو بعد میں اسے حاصل رہا۔ دکن کے غزل گو شعراء نے اسی مخصوص تہذیب میں اپنے فکر و فن کو نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ غزل کے یہ تجربے دکن میں خاصے کامیاب رہے۔ ہندوستانی عناصر کی آمیزش نے غزل کی دلکشی میں اضافہ کیا یہ ثقافتی رجحانات، انداز فکر اور طرز زندگی جگہ جگہ دکنی شعراء کے کلام میں نظر آتا ہے۔

دکن کے غزل گو شعراء نے اپنی غزل میں اُس عہد کی تہذیب و معاشرت، ثقافت، طرز رہن، سہن کی خوب عکاسی کی اتنی قدیم تہذیب سے واقفیت کے لیے جہاں اور بہت سے عناصر مدد و معاون ہو سکتے ہیں وہاں دکنی غزل کا مطالعہ بھی مددگار ہے۔

ڈاکٹر جاوید وشسشٹ کی رائے میں:

''دکنی شاعری سے ہندوستانیت کی مکمل تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔'' ۱۴

دکنی غزل کا نمایاں کردار محبوب اسی سرزمین کا باشندہ ہے اور شعراء اس کے ارضی پیکر سے ہمکلام ہیں اس لئے وہ صیغۂ تانیث بھی استعمال کرتے ہیں اگرچہ بعد میں اس رجحان کی پذیرائی نہ کی گئی۔ دکنی شعراء کے کلام میں ارضی اور مادی پیکر سے محبت ان کے کلام پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ محبوب کو گوری، سہیلی، گن بھری، سکی، نار، سودھن، موہنی، سندری اور پیاری جیسے ناموں سے مخاطب کرتے ہیں، حسن شوقی، محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، نصرتی، بحری، غواصی اور ملک خوشنود کے کلام میں محبوب کو انہی ناموں سے پکارا گیا۔

دکنی غزل میں محبوب کا کردار ایک زندہ، متحرک اور جیتا جاگتا کردار ہے اور شاعر اس محبوب کی محبت کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی سچائی سمجھتا ہے۔ دکنی شعراء نے سراپا گوئی کو نئی معنویت بخشی اور اسے حقیقت پسندی سے قریب تر کیا۔ یہاں ان کا جمالیاتی ذوق اور حسّی شعور دیدہ زیب مرقعے پیش کرتا ہے۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کے شعراء نے خالص ہندوستانی کرداروں کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ابراہیم عادل شاہ، علی عادل شاہ ثانی اور محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں یہ کردار دیکھے جا سکتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر سیّدہ جعفر:

''دکنی شعراء کے مشبہ اور مشبہ بہ دونوں ہندوستانی معاشرت اور ماحول سے ماخوذ ہیں۔'' ۱۵

بیجاپوری روایت کا آخری علم پرور تاجدار علی عادل شاہ ثانی (۱۶۵۶ء تا ۱۶۷۲ء) ہے جو خود بھی شاعر تھا اور شاہی تخلص کرتا تھا۔ اُس نے کئی اصناف سُخن میں طبع آزمائی کی نیز اُردو کے علاوہ ہندی اور فارسی میں بھی شعر کہے۔ شاہی کی غزلوں میں زیادہ تر مرد نے عاشق کا کردار ادا کیا ہے اور عورت معشوق ہے لیکن کچھ غزلیات میں اظہار عشق عورت بھی کرتی ہے مثلاً:

پیو سات رنگ رہنا لذت اسے کتے ہیں　　اب رنگ پھر رجھانا صنعت اسے کتے ہیں
میں چھاؤں ہو پیا سنگ لاگی رہے ہوں دائم　　یک پل جُدا نہ ہونا وصلت اسے کتے ہیں ۱۶

●●●

شاہی نے محبوب سے ملاقاتوں کا ذکر کھلے انداز میں کیا ہے۔

شاہی نے سیج میں ہوئی لٹ پٹ موہن نے جب　　باریک کمر تے کھس گیا ہے زر کمر کدر! ۱۷

یہاں ہندی شاعری اور خاص طور پر گیت کا سا انداز نمایاں ہے ہندی شاعری کی روایت کے تحت عورت عاشق ہے اور مرد ہرجائی محبوب لہٰذا دکنی غزل میں مرد عشق کے معاملات میں جان جوکھوں میں نہیں ڈالتا بلکہ عورت کا کردار ہی عاشق کا کردار ہے اور وہی عشق کے میدان میں مشکل مراحل کو عبور کرتی ہے۔

پروفیسر وہاب اشرفی نے اپنے مضمون ''دکنی ادب کا سیکولر مزاج'' میں درست لکھا ہے۔

''دراصل دکنی اُردو ادب کا قدیم سانچہ ہندوستان کی مٹی اور اس کی بو باس میں ڈھلا ہے'' ۱۸

دکنی عہد کی شاعری میں ہندی گیت کا مزاج حاوی ہے شعراء نے غزل میں حقیقت پسندی سے مختلف کرداروں کو پیش کیا گولکنڈہ کی اس علمی و ادبی روایت میں ایک اہم شاعر فیروز ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری فیروز کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فیروز قطب شاہی دور کے ان اوّلین شعراء میں ہے کہ جن کے ہاں دکن کی مقامی عورت کے سانولے حُسن کا وجود پہلی بار ابھرتا ہے یہ عورت ایک متحرک سراپا کے ساتھ ہمارے سامنے ظاہر ہوتی ہے اس کے جسم کی مثالیں بھی مقامی طرز احساس کی مظہر ہیں مقامی خمیر سے بنی ہوئی یہ عورت دکنی غزل ہی سے مخصوص ہے۔'' ۱۹

دو نین ہر قدم تل میں فرش کر بچھاؤں!　　جوں ہنس چلے لٹک تے سودھن ہنڈے انگن میں
گوریاں سہیلیاں میں سب جگ کیاں ساریاں　　جب سانولی سکھی سوں مائل ہوا دکھن میں ۲۰

ملک الشعراء غوّاصی قطب شاہی دور کا نامور غزل گو ہے جس نے اُردو غزل کو وسعت بخشی اُس کی غزل کا اہم موضوع عشق ومحبت کا بیان ہے۔

نصرتی (۱۶۷۴ء) کی غزل پر بیجا پوری رنگ غالب ہے اس غالب رجحان کے تحت اس کی غزل کا اہم کردار عورت ہے جس سے مخاطب ہو کر وہ اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتا ہے۔ عورت کا کردار نصرتی کی غزل میں زندگی بخش اور صحت مند رجحان رکھتا ہے جہاں وصل یار میسر ہے۔

حیات بخش لگیا بوسہ تجہ شکر لب کا!　　کہ تجھ اُدھر تے میرے جیو کوں پھر کے دان لیا ۲۱

نصرتی کی غزلیں تعداد میں کم ہیں مگر اُس نے غزل میں بہت بے ساختگی اور روانی سے اپنے احساسات کو پیش کیا۔ عاشق اور معشوق کا مکالماتی انداز دیکھیے:

بولیا کہ کیا ہے حلوۂ معشوق بیدلاں　　بولی شکر لباں کے ادھر کے او گال بول ۲۲

زندگی کے اتار چڑھاؤ میں نصرتی کو منجم کی مدد بھی لینا پڑتی ہے سو یہ کردار بھی غزل کی زینت بنا۔

کہتے ہیں مجھ منجم اب تجہ خطر ہے جیو کا　　اس راس پر پڑیا ہے یک اختر جلالی ۲۳

ملک، ابلیس اور برہمن کے کردار غزل کے مضامین کی وضاحت کر رہے ہیں:

تجہ قہر تے مسکین پنے کا مجھے ڈر ہے!　　نپڑے ادک ابلیس جو ہو جب ملک آوے
انپڑ دو برہمن کہیں سیوا کوں صنم کی　　جگ جل میں سدا اوٹھ جسے کرتی جلک آوے ۲۴

نصرتی کے بعد دبستان بیجا پور کے ریختی گو شاعر ہاشمی نے نصرتی کی روایات کی توسیع کی ملک خوشنود اور فراقی بیجا پوری نے بھی غزل میں تخلیقی کارنامے انجام دیے۔

قطب شاہیوں کے دور حکومت میں شاعری کو وہ مقام ومرتبہ حاصل ہوا جو اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا۔ ڈاکٹر محمد علی اثر نے دکنی غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''دکنی غزل موجودہ غزل کی پیش رو ہے جو اپنی صحت مند ادبی اقدار، اپنے مخصوص تہذیبی رجحانات اور اپنے ماحول سے اثر پذیری کے باعث اُردو غزل کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ قدیم دکنی شاعری نے مثنوی کے ساتھ ساتھ عروس غزل کی مشاطگی کا فریضہ بھی بطریق احسن انجام دیا ہے۔'' ۲۵

دکنی دور میں حسن شوقی (۱۶۳۳ء) نے غزل کو مضبوط بنیاد فراہم کی اس کے ہاں محبوب کا کردار بہت واضح ہے جس

کی تعریف وتوصیف وہ بہت فراخدلی سے کرتا ہے اس نے زاہد اور ناصح پر واضح الفاظ میں تنقید کی۔ ناصح کی ناصحانہ روایت بھی حسن شوقی کی غزل میں موجود ہے اور زاہد کا کردار بھی

نہ کہہ ناصح نصیحت مجھ بجز عاشق وفاداری ہمیں کچہ اور سمجھے ہیں نمازی ہور نیازی میں ۲۶

•••

مجے زاہد کفر کہتے جتے اس شہر کے عالم ولے مجہ میں نہیں سمجھے کہ نکتا کافری کا ہے ۲۷

شوقی کی غزل میں ان شعراء کے کردار بھی ملتے ہیں جن کے اسلوب اور لب و لہجے سے وہ متاثر ہوا۔

جب عاشقاں کی صف میں شوقی غزل پڑے تو کوئی خسروی ہلالی، کوئی انوری کتے ہیں ۲۸

•••

ہمارا حُسن ہے شوقی معلم ذہن کوں تیرے سبق کچھ عنصری کا یا درس کچھ انوری کا ۲۹

ہاشمی، شاہی اور نصرتی کا عہد تقریباً ایک ہی ہے تینوں کے شعری مزاج میں بھی بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ شاہی اور نصرتی کے ہاں جسمانی لذتّ اور عشق کے جنسی پہلوؤں کی تفصیل ملتی ہے۔ ہاشمی نے ہندی روایت کے تحت عورتوں کے جذبات کو عورت کی زبان میں بیان کیا۔

دکنی عہد میں شعراء کا غالب رُجحان خارجیت پسندی کی طرف تھا وہ محبوب کے حسن کو مناظر فطرت سے واضح کرتے ہیں ان کی غزل میں محبوب کا کردار ماورائی نہیں بلکہ گوشت پوست کا زندہ اور حساس انسان ہے اس محبوب کے حسن اور نزاکتوں کی داستان کو وہ بڑے بھر پور انداز میں پیش کرتے ہیں کیونکہ محبوب کا یہ کردار تخیلی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔

اورنگ زیب کے دکن فتح کرنے کے ساتھ ہی بیجا پور اور گولکنڈہ کی سلطنتیں ختم ہو گئیں شمال ہند سے آنے والوں نے دکنی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر اسے پذیرائی نہ بخشی۔ شعر و ادب کی سرپرستی کرنے والے سلاطین بھی موجود نہ رہے یوں شعر و ادب کی ترقی کی رفتار سست روی کا شکار ہو گئی تاہم دکن میں غزل کا سفر جاری رہا۔ ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی دو اہم شاعر ہیں جن کی غزل میں زندگی کے کئی نئے امکانات دیکھے جا سکتے ہیں۔

ولی نے جب غزل کو اپنے جذبہ و احساس کا ترجمان بنایا اُس وقت دکنی روایت میں بالعموم غزل عورتوں سے باتیں کرنے یا ان کی باتیں کرنے کا ذریعہ تھی عورت اُس کا حُسن و جمال اور حُسن و جمال کے پہلوؤں کا بیان ہی غزل کے موضوعات تھے۔ ولی سے قبل غزل میں کسی گہرے تجربے اور واردات قلبی کا بیان نہیں ملتا۔ ولی نے غزل میں اپنے قلبی احساسات پیش کیے۔ دکنی شعری روایت میں عورت کا کردار بہت جاندار اور صحت مندانہ رجحان رکھتا ہے اور یہ کردار ہی سب سے بڑا شعری محرک ہے چنانچہ ولی کے ہاں بھی شبِ خلوت میں ''خطاب آہستہ آہستہ'' اور ''جواب آہستہ آہستہ'' ہے۔

یہاں ولی ایک بامراد عاشق کا کردار نبھاتے ہیں۔

سجن ٹک نازسوں مجھ پاس آ آہستہ آہستہ چھپی باتیں اپس دل کی سنا آہستہ آہستہ ۳۰

ولی کی یہ محبوبہ خیالی کردار نہیں بلکہ گوشت پوست کی عورت ہے ہماری دنیا کی فرد ہے ولی کی غزلوں میں کئی مواقع پر یہ کردار مختلف زاویوں سے نظر آتا ہے اور روایتی کلاسیکی انداز کے برعکس یہ محبوب وفا شعار اور مہربان ہے اس صحت مند رویے نے

اس کردار کو مزید دلکش بنا دیا ہے۔

گریباں صبر کا مت چاک کراے خاطرِ مسکیں　　سُنے گا بات وہ شیریں بچن آہستہ آہستہ ۳۱

عشق کے مختلف مراحل میں محبوب کے ساتھ کئی اور کردار بھی منظرِ عام پر آتے ہیں حقیقت میں ان کا وجود ہو یا نہ ہو بہرحال جذبۂ عشق کی مختلف کیفیات و مراحل میں یہ کردار کہیں نہ کہیں زندگی میں شامل حال ہوتے ہیں مثلاً رقیب کا کردار اگرچہ ولیؔ کو اس کردار سے کچھ خاص واسطہ نہیں پڑا تاہم یہ دلچسپ کردار ان کے اعصاب پر سوار ضرور ہے۔

کچھ بھلا نہیں رقیب کوں لگتا　　ایک پاپوش خوب لگتی ہے ۳۲

•••

میری طرف سوں جا کے کہو اس حبیب سُوں　　گر مجھ کو چاہتا ہے تو مت مل رقیب سُوں ۳۳

•••

حاکم وقت ہے تجھ گھر میں رقیب بدخو　　دیو مختار ہوا ملک سلیمان میں آ ۳۴

رقیب کے متبادل کردار جیسے بوالہوس، غیر، اہل ہوس اور حاسد بھی ولیؔ کی غزل میں موجود ہیں۔

سراج اورنگ آبادی (۱۷۱۴ء، تا ۱۷۶۳ء) کی غزل میں خارجیت کے ساتھ داخلی تجربے بھی شامل ہیں۔ نشاطیہ لب و لہجے کے پس پردہ ایک اُداس لے بھی ابھرتی ہے

بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

''سراج کے ان شعری تجربوں سے دکنی غزل کی صدیوں پرانی تنہائی ختم ہوتی ہے اور اُردو غزل نئی تخلیقی وسعتوں میں سانس لینے لگتی ہے۔'' ۳۵

سراؔج نے محبوب کا کردار اور مقام و مرتبہ وضع کرنے میں ولیؔ دکنی کی روایات کی توسیع کی۔ محبوب کو سراؔج نے پیا، پیو، سجن، سونا، سلونا یار، موہن اور پیتم وغیرہ کے خوبصورت ناموں سے یاد کیا ہے۔

ترے فراق میں اے نور دیدۂ یعقوب　　کیا ہے دل کی زلیخا نے صبر جیوں ایوبؑ ۳۶

عشق کی مثلث رقیب کے ذکر کے بغیر ادھوری ہے سو یہ رقیب ادھر بھی موجود ہے:

دیکھ سکتا نہیں میں دل کوں ہر یک خار کے ساتھ　　اپنے ہمراہ رقیبوں کوں نہ لا، ہائے نہ لا ۳۷

•••

گلی میں یار کی ہر بوالہوس کو بار کہاں　　نشان گلشنِ فردوس زاغ پاتا نہیں ۳۸

عبدالقادر سروری نے اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''رقیب کو زاغ اور معشوق کی گلی کو بہشت سے تعبیر کرنا ایک انوکھا لطف رکھتا ہے۔'' ۳۹

سراؔج کے ہاں کلاسیکی شعری روایت کے نمایندہ کردار بھی موجود ہیں جیسے ناصح، برہمن، زاہد:

چاہیئے زاہدوں کو حجرۂ تنگ　　باغ عشق ہے وسعت مشرب ۴۰

•••

برہمن کوں رشتہ زنار کی حاجت نہیں　　دام زلفِ یار ہے اس کے گلے میں ہار آج ۱۲۱

سراج اورنگ آبادی نے زبان کی سادگی اور انداز کی برجستگی سے اُردو غزل میں ایک والہانہ پن اور سرشاری کی کیفیت پیدا کی ڈاکٹر جمیل جالبی نے درست لکھا ہے:

''سراج کے کلام سے یہ بات شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ یہ آواز اُردو شاعری میں پہلی بار سُنی جا رہی ہے اس میں ایک ایسی خود سپردگی اور ایک سرشاری ہے جو اب تک کسی شاعر کے یہاں سمٹ کر جم کر سامنے نہیں آئی تھی۔'' ۴۲

دکنی شعراء کی یہ جرأت مندانہ کوشش تھی کہ انہوں نے فارسی اور ہندی روایت کے امتزاج سے ایسی شعری دُنیا آباد کی جس کے کردار کہیں بھی ہمیں نامانوس یا اجنبی محسوس نہیں ہوتے یہ شعرائے دکن حقیقت پسندی سے اپنے محبوب کے حُسن کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے لیے تشبیہات بھی قریب کے فطری مناظر سے لیتے ہیں۔

دکنی غزل میں محبوب کا کردار بڑا جاندار اور توانا ہے وہ محض شعراء کے تخیل کی پیداوار نہیں بلکہ عملی طور پر ان کی زندگی کا حصہ ہے جس کے حُسن، سراپا اور بناؤ سنگھار کی تفصیل سے غزل میں دکنی کلچر کو با آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

جنوبی ہند میں غزل کی اہم خوبی عورت کا جذبوں میں کھلا اظہار ہے جو ہندی شاعری کی دین ہے کیونکہ ہندی شعری روایت میں عورت کی زبان سے اظہار محبت بہت عام ہے۔ بحیثیت مجموعی کہا جا سکتا ہے کہ دکن میں اُردو غزل کی تعمیر و ترقی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا یہ اضافہ بلحاظ فکر بھی ہے اور بلحاظ فن بھی۔

دکنی غزل کے جائزے سے یہ امر بخوبی عیاں ہے کہ غزل کے یہ کردار ہوا میں تخلیق نہیں ہوئے بلکہ اردو غزل بہت فطری انداز سے اپنا سفر طے کرتی ہوئی دلّی پہنچتی ہے جہاں تصور خدا، تصور محبوب اور تصور معاشرت بہت نکھر کر سامنے آتا ہے دکنی غزل کے یہ کردار اٹھارہویں صدی میں دلّی کی غزل کے کردار بنے اور یوں ان کرداروں میں ترقی و ارتقا کا عمل جاری رہا۔

حواشی:

۱۔　تاریخ فرشتہ بحوالہ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اُردو، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، جولائی ۲۰۰۲ء، ص: ۴۵

۲۔　سعداللہ کلیم، ڈاکٹر، اُردو غزل کی تہذیبی وفکری بنیادیں، جلد اوّل، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ص: ۱۹۰

۳۔　سیّدہ جعفر، ڈاکٹر، مرتب: کلیات محمد قلی قطب شاہ، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، جنوری تا مارچ ۱۹۸۵ء، ص: ۵۴۳

۴۔　ایضاً، ص: ۵۰۲

۵۔ ایضاً،ص: ۶۷۷

۶۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر،''اُردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء،ص: ۱۶۳

۷۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ،ص: ۴۸۴

۸۔ ایضاً،ص: ۵۱۹

۹۔ ایضاً،ص: ۵۱۶

۱۰۔ ایضاً،ص: ۴۸۳

۱۱۔ ایضاً،ص: ۴۸۸

۱۲۔ ایضاً،ص: ۴۸۳

۱۳۔ رام بابو سکینہ،''تاریخ ادب اُردو''، مترجم: مرزا محمد عسکری، لاہور: کتب خانہ ملیہ کشمیری بازار،۱۹۹۴ء،ص: ۴۸

۱۴۔ جاوید وشِشٹ، ڈاکٹر، دکنی درپن، نئی دہلی: سادھنا، پبلی کیشنز،ص: ۲۰

۱۵۔ بحوالہ اُردو غزل، مرتبہ: ڈاکٹر کامل قریشی، لاہور: پروگریسو طبع اول، ۱۹۸۹ء،ص: ۴۱

۱۶۔ علی عادل شاہ ثانی: کلیات شاہی: مرتبہ سیّد مبارزالدین رفعت، علیگڑھ، انجمن ترقی اُردو ہند اشاعت اوّل: ۱۹۷۱ء: ص: ۱۵۰

۱۷۔ ایضاً،ص: ۱۴۷

۱۸۔ تدریس دکنی ادب نمبر فکر و تحقیق: ششماہی، شمارہ نمبر ۱، جنوری تا جون، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۳۲

۱۹۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر،''اُردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک''،ص: ۱۴۹

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ دیوان نصرتی، مرتب: جمیل جالبی، ڈاکٹر، لاہور: قوسین، ۱۹۷۶ء،ص: ۶۱

۲۲۔ ایضاً،ص: ۶۲

۲۳۔ ایضاً،ص: ۶۷

۲۴۔ ایضاً،ص: ۷۰

۲۵۔ بحوالہ اُردو غزل، مرتبہ: کامل قریشی، ڈاکٹر، لاہور: پروگریسو بکس، طبع اوّل، ۱۹۸۹ء،ص: ۴۸

۲۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، مرتبہ: دیوان حسن شوقی، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۷۱ء،ص: ۱۶۰

۲۷۔ ایضاً،ص: ۱۶۸

۲۸۔ ایضاً،ص: ۱۶۳

۲۹۔ ایضاً،ص: ۱۶۸

۳۰۔ نور الحسن ہاشمی، مرتب: کلیات ولی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز،ص: ۲۶۲

۳۱۔ ایضاً،ص: ۲۱۹

۳۲۔ ایضاً،ص:۳۱۱

۳۳۔ ایضاً،ص:۱۸۳

۳۴۔ ایضاً،ص:۵۷

۳۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر،''اُردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک''،ص:۲۳۲

۳۶۔ کلیات سراج، مرتب: عبدالقادر سروری، جامعہ عثمانیہ، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، س۔ن،ص: ۲۰۹

۳۷۔ ایضاً،ص:۱۹۴

۳۸۔ ایضاً،ص:۳۵۲

۳۹۔ ایضاً،ص:۱۰۴

۴۰۔ ایضاً،ص:۲۰۹

۴۱۔ ایضاً،ص:۲۳۱

۴۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر،'' تاریخ ادب اُردو''، جلد اوّل،ص:۵۶۶